اقبال کا تصوّرِ جنّت و دوزخ

جناب پروفیسر محمد رفیق

اقبال مرحوم ایک عظیم شاعر، فلسفی اور کاروانِ اُمت کے حُدی خواں تھے۔ فی الحقیقت اُن کے سوا تاریخِ اسلامی میں ایسا کوئی شاعر پیدا نہیں ہوا جس نے اسلام کے پورے نظامِ فکر و عمل کو شاعری کا خوبصورت اور دل آویز جامہ پہنایا ہو۔ اُن کے کلام میں بیک وقت حافظ کی رنگینیٔ بیان، زُہیر کا حکیمانہ لہجہ اور غالب کی شوخیٔ ادا پائی جاتی ہے۔ آج بین الاقوامی سطح پر وہ ایک مسلم مفکر کی حیثیت سے مشہور و معروف ہیں۔

تاہم انہوں نے جنّت و دوزخ کے بارے میں جو تصور اپنی انگریزی تصنیف:

"The Reconstruction of Religious Thought in Islam"

(تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ) کے خطبۂ چہارم:

"The Human Ego - His Freedom and Immortality"

(انسانی خودی ـــــ اُس کی حُریت و ابدیت) میں پیش کیا ہے، اور جس کی تشریح و توضیح ہمیں "پیامِ مشرق" اور "جاوید نامہ" میں شاعرانہ اُسلوبِ بیان کے ساتھ ملتی ہے، وہ نہایت قابلِ غور ہے۔

اقبال مرحوم کی رائے میں جنّت اور دوزخ مقامات نہیں ہیں بلکہ احوال و کیفیّات کے نام ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

Heaven and Hell are states, not localities. The descriptions in the Quran

are visual representations of an inner fact, i.e. character. Hell, in the words of the Quran, is 'God's kindled fire which mounts above the hearts' — the painful realization of one's failure as a man. Heaven is the joy of triumph over the forces of disintegration.

(P. 123)

ترجمہ: جنت اور دوزخ احوال و کیفیات ہیں، مقامات نہیں ہیں، قرآن مجید میں ان کی جو کیفیت بیان کی گئی ہے، اس سے مقصود بھی یہی ہے کہ ایک داخلی حقیقت، یعنی انسان کے اندرونی احوال کا نقشہ اس کی آنکھوں میں پھر جائے۔ جیساکہ دوزخ کے بارے میں ارشاد ہے کہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ جو دلوں پر چڑھتی ہے، بالفاظِ دیگر وہ انسان کے اندر بحیثیت انسان اپنی ناکامی کا دردانگیز احساس ہے۔ اسی طرح جنت کا مطلب ہے فنا اور ہلاکت کی قوتوں پر غلبے اور کامرانی کی مسرت۔" (ص ۱۲۳)

مزید برآں اقبال مرحوم کے نزدیک جو لوگ جنت یا دوزخ میں ہوں گے، اُن کے لیے خلود (ہمیشگی) نہیں ہے۔ اس لیے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جنت کی نعمتوں سے بہرہ مند یا دوزخ کے عذاب میں گرفتار نہیں رہیں گے۔ بلکہ یہ بھی ایک دورِ زمانی ہوگا جو کبھی نہ کبھی ختم ہو جائے گا۔ جنت اور دوزخ میں عدمِ خلود کے اس تصور سے متعلق اقبال مرحوم کے الفاظ یہ ہیں:

The word 'eternity' used in certain verses, relating to Hell, is explained by the Quran itself to mean only a period of time (78 : 23). Time cannot be wholly irrelevant to the development of personality. Character tends to become permanent; its reshaping must require time. Hell, therefore, as conceived by the Quran, is not a pit of everlasting torture inflicted by a revengeful God; it is a corrective experience which may make a hardened ego once more sensitive to the living breeze of Divine Grace. Nor is Heaven a holiday. Life is one and continuous. Man marches always onward to receive ever fresh illuminations from an Infinite Reality which 'every moment appears in a new glory'. And the recipient of Divine illumination is not merely a passive recipient. Every act of a free ego creates a new situation, and thus offers further opportunities of creative unfolding.

(P. 123)

ترجمہ: "قرآن مجید نے لفظ "خلود" کی تشریح بھی دوسری آیات میں اس طرح کر دی ہے کہ اس سے مراد محض ایک مدتِ زمانی (۷۸: ۲۳) ہے۔ یوں بھی انسانی سیرت کا تقاضا ہے کہ جوں جوں زمانہ گزرے، اس میں سختی اور پختگی پیدا ہوتی جائے، لہٰذا سیرت اور کردار کی تبدیلی کے لیے بھی "وقت" کی ضرورت ہوگی۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو جہنم بھی کوئی "گڑھا" نہیں ہے جسے منتقمِ خدا نے اس لیے تیار کر رکھا ہے کہ گنہگار ہمیشہ اس میں گرفتارِ عذاب رہیں۔ وہ درحقیقت تادیب کا ایک عمل ہے تاکہ جو خودی پتھر کی طرح سخت ہو گئی ہے وہ پھر رحمتِ خداوندی کی نسیم جاں فزا کا اثر قبول کر سکے۔ لہٰذا جنت بھی لطف و عیش یا آرام و تعطل کی کوئی حالت نہیں۔ زندگی ایک ہے اور مسلسل، اور اس لیے انسان بھی اس ذاتِ لامتناہی کی نو بہ نو تجلیات کے لیے، جس کی ہر لحظہ ایک نئی شان ہے، ہمیشہ آگے ہی آگے بڑھتا رہے گا۔ پھر جس کسی کے حصے میں یہ سعادت آئی ہے کہ تجلیاتِ الٰہیہ سے سرفراز ہو وہ صرف ان کے مشاہدے پر قناعت نہیں کرے گا۔ خودی کی زندگی اختیار کی زندگی ہے جس کا ہر عمل ایک نیا موقف پیدا کر دیتا ہے اور یوں اپنی خلاقی اور ایجاد و طباعی کے لیے نئے نئے مواقع بہم پہنچاتا ہے۔" (ص۔ ۱۲۳)

اقبال مرحوم نے اپنے انہی تصورات کو اپنے اشعار میں بھی کئی جگہ پیش کیا ہے۔ اپنے مجموعۂ کلام "پیامِ مشرق" کے حصۂ افکار میں "حور و شاعر" کے عنوان سے گوئٹے کے نام جو جوابی نظم لکھی ہے، اس میں بھی انہوں نے جنت و دوزخ سے متعلق اپنے ہی نظریات ظاہر کیے ہیں۔ اس مکالماتی نظم میں حور بہشت شاعر (اقبال) سے یہ شکایت کرتی ہے کہ:

نہ بہ بادہ میل داری نہ بمن نظر کشائی
عجب این کہ تو نہ دانی رہ و رسمِ آشنائی

ترجمہ: تو نہ تو شراب کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور نہ میری جانب نگاہ اٹھاتا ہے۔ تعجب ہے کہ تجھے آدابِ محبت بھی معلوم نہیں ہیں۔

اس کے جواب میں شاعر (اقبال) کہتا ہے کہ ؎

چہ کنم کہ فطرتِ من بہ مقام در نسازد
دلِ ناصبور دارم چو صبا بہ لالہ زارے

چو نظر قرار گیرد بہ نگارِ خوب روئے
تپد آں زماں دلِ من پئے خوب تر نگارے

ز شرر ستارہ جویم، ز ستارہ آفتابے
سرِ منزلے ندارم کہ بمیرم از قرارے

چو ز بادۂ بہارے، قدحے کشیدہ خیزم
غزلے دگر سرایم بہ ہوائے نوبہارے

طلبم نہایتِ آں کہ نہایتے ندارد
بہ نگاہے ناشکیبے، بہ دلِ امیدوارے

دلِ عاشقاں بمیرد بہ بہشتِ جاودانے
نہ نوائے دردمندے، نہ غمے، نہ غم گسارے

(کلیاتِ اقبال، فارسی، ص ۲۹۶ تا ۲۹۸)

ترجمہ:

— میں کیا کروں میرے مزاج کو کسی مقام سے سازگاری نہیں ہے۔ میرا دل ہر وقت بے قرار رہتا ہے جیسے باغ میں صبا بے قرار رہتی ہے۔

— جب میری نگاہ کسی خوب صورت محبوب پر پڑتی ہے تو میرا دل اسی وقت کسی اور زیادہ خوب صورت محبوب کی طلب میں تڑپنے لگتا ہے۔

— مجھے شرر کے بعد ستارے کی اور ستارے کے بعد سورج کی تلاش رہتی ہے۔ میری کوئی منزل نہیں ہے۔ کیونکہ کسی جگہ مقیم ہو جانے میں میرے لیے موت ہے۔

— جب میں موسمِ بہار کی شراب کا ایک جام لنڈھا کر اٹھتا ہوں تو فضائے نوبہار میں آ کر ایک تازہ غزل کہتا ہوں۔

— مجھے اپنی بے چین نگاہ اور اپنے پُر امید دل کے ساتھ ایسی انتہا کی تلاش ہے، جس کی اور کوئی انتہا نہیں۔

— عاشقوں کا دل اس بہشتِ جاودانی میں پہنچ کر مر جاتا ہے جہاں کسی دردمند کی صدا نہیں جہاں کوئی غم نہیں اور کوئی غم گسار نہیں۔"

اسی طرح "جاوید نامہ" میں بھی اقبال مرحوم نے اپنے اسی تصور کو مرشدِ رومی کی زبان سے یوں بیان کیا ہے ؎

آنچہ گوئی کوثر و غلمان و حور
جلوۂ ایں عالمِ جذب و سرور

(کلیاتِ اقبال، فارسی، ص ۳۴۳)

ترجمہ: جو کچھ تو کوثر، غلمان اور حوروں کے بارے میں پڑھتا سنتا ہے، اس کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ وہ اسی جذب و سرور کی دنیا کا ایک جلوہ ہے۔

اور اسی "جاوید نامہ" میں جب زندہ رود (اقبال) فردوسِ بریں سے رخصت ہونے لگتا ہے تو جنت کی حوریں اس سے ہم نشینی کی فرمائش کرتی ہیں۔

بر لبِ شاں زندہ رود، اے زندہ رود زندہ رود، اے صاحبِ سوز و سرود

شور و غوغا از یسار و از یمین یک دو دم با ما نشیں، با ما نشیں

(کلیاتِ اقبال، فارسی، ص ۷۷۴)

ترجمۂ اشعار: "ان کے لبوں پر زندہ رود، زندہ رود کا نام ہے اور وہ زندہ رود کو جو کہ صاحبِ سوز و سرور ہے، پکار رہی ہیں، دائیں بائیں ہر طرف ان کا شور و غوغا ہے اور وہ کہتی ہیں کہ اور کچھ دیر کے لیے ہمارے سامنے رہو"

مگر اُن کے جواب میں زندہ رود (اقبال) یہ کہتا ہے ؎

راہرو کو داند اسرارِ سفر ترسد از منزل ز رہزن بیشتر

عشق در ہجر و وصال آسودہ نیست بے جمالِ لایزال آسودہ نیست

ابتدا پیشِ بتاں افتادگی انتہا از دلبراں آزادگی

عشق بے پروا و ہر دم در رحیل در مکان و لامکاں ابن السبیل

کیشِ ما مانندِ موج تیز گام

اختیارِ جادہ و ترکِ مقام

(کلیاتِ اقبال، فارسی، ص ۷۷۵)

ترجمۂ اشعار:

— وہ راہرو جو سفر کے رازوں سے واقف ہے، اُسے خوفِ راہزن سے بڑھ کر خوفِ منزل ہوتا ہے۔

— عشق کو نہ ہجر میں چین ہے، نہ وصال میں، اُسے جمالِ لازوال کے بغیر آسودگی کہاں؟

— عشق کی ابتداء محبوبوں کے سامنے عجز و انکساری ہے اور اس کی انتہا دلبروں سے بے نیاز ہو جانا ہے۔

— عشق بے پرواہ ہے، ہر وقت محوِ سفر رہتا ہے۔ مکان ہو یا لامکاں وہ دونوں ہی میں مسافر ہوتا ہے۔

— ہمارا مذہب وہ ہے جو تیز رفتار موج کا ہے۔ ہم راستہ تو اختیار کرتے ہیں مگر کسی مقام پر ٹھہرا نہیں کرتے۔"

اقبال مرحوم کے انہی تصورات کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم نے اپنی کتاب "فکرِ اقبال" میں لکھا ہے کہ:

"اقبال کے ہاں عذاب و ثواب اور جنت و دوزخ کا تصور بھی عام عقاید سے بہت کچھ الگ ہو گیا ہے۔ وہ جنت کو مومن کا مقصود نہیں سمجھتا اور نہ ہی اسے ابدی عشرت کا مقام خیال کرتا ہے، اس کے نزدیک جنت یا دوزخ مقامی نہیں بلکہ نفسی ہیں:

جس کا عمل ہے بے غرض، اُس کی جزا کچھ اور ہے
حُور و خیام سے گزر، بادہ و جام سے گزر"

(فکرِ اقبال، ص ۱۲۵، مطبوعہ بزمِ اقبال، لاہور)

اقبال مرحوم کی کتاب "تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ" کے خطبۂ چہارم کے متضمنات پر اقبال کی ترجمانی کرتے ہوئے ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم مزید لکھتے ہیں کہ:

"اگر ہم مکانی تصوّرات سے نجات حاصل کر لیں تو یہ عقیدہ بھی قائم کر سکتے ہیں کہ جنت و دوزخ مقامات کا نام نہیں، بلکہ نفس کے احوال کا نام ہے۔ از رُوئے قرآن دوزخ کی آگ کسی خارجی ایندھن سے نہیں جلتی بلکہ اس کے شعلے قلوب میں سے اُٹھتے ہیں۔"

(فکرِ اقبال، ص ۸۲۳)

ان تصوّرات کا تجزیہ ہمارے نزدیک اقبال مرحوم کے یہ دونوں تصوّرات — جنت و دوزخ کا مقامات کی بجائے احوال و کیفیات ہونا اور وہاں کی زندگی میں عدمِ خُلود ہونا — قرآن مجید کی آیات اور اس کے نصوص کے صریحاً خلاف اور غلط ہیں۔

اپنے پہلے تصور کے حق میں اُنہوں نے جو قرآنی دلیل دی ہے، اُس کا اصل حوالہ یہ ہے:

نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۙ الَّتِىْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـئِدَةِ ؕ	وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے جو دلوں تک پہنچتی ہے۔

(ھمزہ - آیت - ۶،۷)

اِن دونوں آیاتِ قرآنی سے اقبال مرحوم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ دوزخ کوئی مقام نہیں ہے، بلکہ ناکامی کے دردناک احساس کی کیفیت کا نام ہے۔

اب ذرا ان دونوں آیاتِ مذکورہ کا اصل سیاقِ کلام ملاحظہ ہو:

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِۨ الَّذِىْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۙ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ ۚ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِى الْحُطَمَةِ ۖ وَمَاۤ اَدْرٰٮكَ مَا الْحُطَمَةُ ؕ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۙ الَّتِىْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـئِدَةِ ؕ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۙ فِىْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ࣖ (سورۂ ھمزہ)	ہلاکت ہے اس شخص کے لیے جو لوگوں پر طعن کرتا اور پیٹھ پیچھے ان کی بُرائیاں کرنے کا خوگر ہے جو مال جمع کرتا ہے اور اُسے گن گن کر رکھتا ہے۔ وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال ہمیشہ اس کے پاس رہے گا۔ ہرگز نہیں، وہ شخص چکنا چُور کر دینے والی جگہ میں پھینک دیا جائے گا اور تمہیں کیا معلوم وہ چکنا چُور کر دینے والی جگہ کیا ہے؟ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ جو دلوں تک پہنچے گی۔ وہ اُن پر ڈھانک کر بند کر دی جائے گی اس حال میں کہ وہ اُونچے اُونچے ستونوں میں گھرے ہوئے ہوں گے۔

پُوری سورہ کے اس سیاقِ کلام میں لَيُنْۢبَذَنَّ فِى الْحُطَمَةِ (وہ شخص چکنا چُور کر دینے والی جگہ میں پھینک دیا جائے گا) اور فِىْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ (وہ اُونچے اُونچے ستونوں میں گھرے ہوئے ہوں گے) کے قرآنی الفاظ بول بول کر اس امر کی وضاحت کر رہے ہیں کہ اس میں اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ سے دوزخ مُراد ہے جو ایک آتشیں مقام اور جگہ ہے۔

پھر دوزخ کے مقام ہونے کے بارے میں قرآن مجید میں اتنے واضح دلائل، نظائر اور نصوص موجود

ہیں، جن سے صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا۔ اور ان شواہد کی موجودگی میں دوزخ کا کوئی ایسا مفہوم مراد نہیں لیا جا سکتا جو دوزخ ہی سے متعلق قرآن مجید کی دوسری تصریحات سے متصادم یا اُن کے منافی ہو۔ قرآنِ حکیم میں جگہ جگہ دوزخ کو بِئْسَ الْمَصِيْر (البقرہ۔ ۱۲۶) اور بِئْسَ الْمِهَاد (آل عمران ۱۲) کہا گیا ہے، جن کے معنی ہیں "بُرا ٹھکانا"۔ کہیں اُسے دارُ الفاسقین (فاسقوں کا گھر۔ الاعراف ۱۴۵) قرار دیا ہے۔ کبھی اسے دَارُ الْبَوَار (ہلاکت خانہ۔ ابراہیم ۔ ۲۸) کا نام دیا گیا ہے۔ کبھی اُسے مَثْوَى الظَّالِمِيْنَ (ظالموں کے رہنے کی جگہ۔ آل عمران ۔ ۵۱) سے تعبیر کیا گیا ہے، کبھی اُسے بِئْسَ الْقَرَار (بُری جگہ۔ ابراہیم ۔ ۲۹) بتایا ہے، اور کہیں اُسے هَاوِيَة (گڑھا۔ القارعہ ۹) کہا ہے۔

قرآن مجید کے اس قدر کثیر نصوص اور تعلیمات کے ہوتے ہوئے آخر سورۂ ہمزہ کے مذکورہ حوالے کی بنیاد پر یہ کہنے کی گنجائش کہاں ہے کہ دوزخ کوئی مقام نہیں ہے اور ناکامی کے دردانگیز احساس کی کیفیت کا نام ہے۔

دوسری جانب جنت کے مقام و مستقر ہونے کے نصوص اور قطعی دلائل بھی خود قرآن مجید میں موجود ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

۱۔ سورۂ فرقان میں "عباد الرحمٰن" (اللہ کے نیک بندوں) کا انجام اس طرح بتایا گیا ہے کہ وہ ایک اچھے مستقر اور مقام میں ہمیشہ رہیں گے۔

أُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَسَلَامًا ۝ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ۝

ان لوگوں کو ان کے صبر کے بدلے جنت میں رہنے کو بالاخانے ملیں گے اور وہاں دُعا اور سلام کے ساتھ ان کا استقبال کیا جائے گا۔ جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ وہ کیا ہی اچھی جگہ ہے تھوڑی دیر ٹھہرنے کے لیے ہو یا مستقل طور پر رہنے کے لیے۔

(الفرقان، آیت ۷۵، ۷۶)

۲۔ سورۂ نازعات آیت ۴۱ میں بتایا کہ نیک نفسِ انسان کے لیے جنت کا ٹھکانا ہوگا۔

فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ ۝ پھر جنت اس کا ٹھکانا ہے۔

۳۔ سورۂ دخان میں ہے کہ پرہیزگاروں کے لیے جنت اور چشموں کی جائے امن ہوگی۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ آَمِيْنٍ ۙ — بے شک پرہیزگار لوگ امن کی جگہ پر ہوں گے، باغوں میں اور چشموں میں۔

اب آیئے اُس قرآنی دلیل کی طرف جس کی بُنیاد پہ اقبال مرحوم نے جنت اور دوزخ میں عدمِ خلود ہونے کا نظریہ قائم کیا ہے۔ جس آیت کا حوالہ اُنہوں نے دیا ہے۔ وہ سورۂ نبا کی آیت ۲۳ ہے۔ جہاں اللہ کے باغیوں کو جہنم کی وعید سُنانے کے بعد فرمایا گیا ہے کہ:

لٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا ۞ — وہ اس میں رہیں گے قرنوں تک۔

اس آیت کے لفظ احقاب سے اقبال مرحوم یہ استدلال کرتے ہیں کہ یہ قرنوں تک کی مدت کہیں جا کر ختم ہو جائے گی۔ لہٰذا دوزخ میں کسی کے لیے بھی خلود نہ ہوگا۔

مگر یہ استدلال کئی وجوہ سے غلط ہے اور قرآن مجید کی تعلیمات کے قطعی خلاف ہے۔

۱۔ لغت کی دلیل پہلی بات جو بات مرحوم کے استدلال کی کمزوری کو ظاہر کرتی ہے، لفظ احقاب کے لغوی معنی و مفہوم کو صحیح طور پر نہ سمجھنے کی ہے۔ عربی لغت میں احقاب (واحد حقب اور حقبہ) کے معنی لامتناہی زمانے کے ہیں۔ عربی زبان کے مشہور و مستند لغت، لسان العرب میں اسی لفظ کے معنی مُدَّةٌ لَا وَقْتَ لَهَا (جلد ۱ ص ۳۲۶) کے بیان کیے گئے ہیں، جس کے معنی ہیں "ایسی مدت جس کے ختم ہونے کے لیے کوئی وقت نہ ہو"۔ پھر اسی لغت میں مشہور ماہر لغت "فراء" کا قول درج کیا گیا ہے، جس کے نزدیک اس آیت مذکورہ کا مفہوم یہ ہے:

"والمعنی انهم یلبثون فیها احقابا، کلما مضیٰ حُقُبٌ تَبِعَهٗ حقب آخر" — "اور اس کے معنی کہ وہ دوزخ میں احقاب کی مدت رہیں گے، یہ ہیں کہ جب ایک دورِ زمانی گذرے گا تو پھر دوسرا دورِ زمانی شروع ہو جائے گا"

(لسان العرب، جلد اول۔ ص ۳۲۶)

ایک اور ماہرِ لغت "الزجاج" کا یہ قول بھی اسی لغت میں موجود ہے:

"المعنی انهم یلبثون فیها احقابا لا یذوقون فی — اور ان الفاظ کے معنی یہ ہیں کہ وہ اس میں احقاب تک رہیں گے۔ یہ ہیں کہ احقاب تک

الاحقاب بردًا ولا شرابًا	ان کو دوزخ میں نہ کوئی ٹھنڈک ملے گی اور نہ کوئی
وھم خالدون فی النار ابدًا	اچھا مشروب ملے گا۔ اور وہ آگ میں ہمیشہ ہمیشہ
(لسان العرب۔ ابن منظور جلد ا	کے لیے رہیں گے۔
ص ۳۲۶)	

عربی زبان کے ایک ماہرِ لغت مفسّرِ قرآن علّامہ زمخشری نے اپنی مشہور تفسیر "الکشّاف" میں لٰبِثِیْنَ فِیْهَآ اَحْقَابًا کی اسی آیت کے تحت لکھا ہے کہ:

"احقابا: حقبا بعد حقب	احقاب کے معنی ہیں ایک مدتِ دراز ختم ہونے
کما مضٰی حقب تبعہ اٰخر الٰی	کے بعد دوسری مدت، دراز کا شروع ہو جانا،
غیر نہایۃ۔ ولا یکاد یستعمل	لا متناہی طور پر حقب اور حقبہ (جمع احقاب)
الحقب والحقبۃ الاحیث یراد	کے الفاظ کا استعمال صرف ایسی صورت میں ہوتا
تتابع الازمنۃ و توالیھا	ہے جہاں پے در پے ایک زمانہ ختم ہو جانے کے
(الکشاف، جلد ۴، ص ۲۰۹، طبع مصر)	بعد دوسرے زمانے کا آغاز ہو جانا ہوتا ہے۔

مولانا عبدالماجد دریا بادی مرحوم نے قرآن مجید کی اسی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

"احقاب کے بصیغۂ جمع آجانے سے کوئی گنجائش دوزخ کے عدمِ خُلود کے قائلوں کے لیے نہ رہی"

(بحوالہ ترجمہ و تفسیر قرآن مجید۔ ص ۱۱۷۰، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ)

مولانا امین احسن اصلاحی نے آیتِ مذکورہ کا یہ مطلب تحریر کیا ہے۔

"لٰبِثِیْنَ فِیْهَآ اَحْقَابًا، اَحْقَابٌ کے معنی قرنوں کے ہیں۔ اس کی وضاحت قرآن میں جگہ جگہ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا کے الفاظ سے ہو گئی ہے۔ یعنی وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ بعض لوگوں نے اس سے طویل مدت مراد لے کر یہ نتیجہ نکالنے کی کوشش کی ہے کہ جہنم بالآخر ایک دن ختم ہو جائے گی، لیکن یہ رائے غلط ہے۔ زبان کے سمجھنے کا طریقہ یہ ہے کہ مجمل کی شرح مفصل کی روشنی میں کرتے ہیں نہ کہ مفصل کی شرح مجمل کی روشنی میں۔ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ مفصل ہیں اور لفظ احقاب مجمل۔ اس مجمل کو

مفصل کی روشنی میں سمجھیں گے نہ کہ اس کے برعکس۔

علاوہ ازیں یہاں انجام باغیوں اور سرکشوں کا بیان ہوا ہے، جس کے لیے قرآن کے دوسرے مقامات میں یہ تصریح ہے کہ ان کو جہنم سے نکلنا کبھی نصیب نہ ہوگا۔"

(تدبر قرآن، جلد ۹، ص ۱۲۳، لاہور، ۱۹۸۳ء)

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اس آیت کی تفسیر لکھتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ:

"اصل میں لفظ احقاب، استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں پے درپے آتے والے طویل زمانے، ایسے مسلسل ادوار کہ ایک دور ختم ہوتے ہی دوسرا دور شروع ہو جائے۔ اس لفظ سے بعض لوگوں نے یہ استدلال کرنے کی کوشش کی ہے کہ جنت کی زندگی میں تو ہمیشگی ہوگی اور جہنم میں ہمیشگی نہیں ہوگی۔ کیونکہ یہ مدتیں خواہ کتنی ہی طویل کیوں نہ ہوں، بہرحال جب مدتوں کا لفظ استعمال کیا گیا ہے تو اس سے یہی متصور ہوتا ہے کہ وہ لا متناہی نہ ہوں گی بلکہ کبھی نہ کبھی جا کر ختم ہو جائیں گی۔ لیکن یہ استدلال دو وجوہ سے غلط ہے۔ ایک یہ کہ عربی لغت کے لحاظ سے "حقب" کے لفظ ہی میں یہ مفہوم شامل ہے کہ ایک حقب کے پیچھے دوسرا حقب ہو، اس لیے احقاب لازماً ایسے ادوار ہی کے لیے بولا جائے گا جو پے درپے ایک دوسرے کے بعد آتے چلے جائیں اور کوئی دور بھی ایسا نہ ہو جس کے پیچھے دوسرا دور نہ آئے۔ دوسرے یہ کہ کسی موضوع کے متعلق قرآن مجید کی کسی آیت سے کوئی ایسا مفہوم لینا اصولاً غلط ہے جو اسی موضوع کے بارے میں قرآن کے دوسرے بیانات سے متصادم ہوتا ہو۔ قرآن میں ۳۴ مقامات پر اہلِ جہنم کے لیے خلود (ہمیشگی) کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، اور ایک جگہ صاف صاف ارشاد ہوا ہے کہ "وہ چاہیں گے کہ جہنم سے نکل جائیں، مگر وہ اس سے ہرگز نکلنے والے نہیں ہیں اور ان کے لیے قائم رہنے والا عذاب ہے۔" (المائدہ، آیت ۳۷) ...... ان تصریحات کے بعد لفظ احقاب کی بنیاد پر یہ کہنے کی کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ جہنم میں خدا کے باغیوں کا قیام دائمی نہیں ہوگا، بلکہ کبھی نہ کبھی ختم ہو جائے گا؟"

(تفہیم القرآن، جلد ۶، ص ۲۲۹، ۲۳۰)

۲۔ اُصولِ تفسیر کی دلیل قرآن مجید کی تفسیر کا ایک مسلمہ اُصول (بلکہ اصل الاُصول) تفسیر القرآن بالقرآن ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر خود قرآن ہی کی روشنی میں کی جائے۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ القرآن یُفسِّر بعضُہ بعضًا (قرآن کا بعض اُس کے بعض کی تفسیر کر دیتا ہے)۔

اِس اُصول کی روشنی میں دیکھا جائے تو قرآن مجید نے چالیس سے زیادہ مقامات پر یہ حقیقت واضح کر دی ہے کہ جنت یا دوزخ میں رہنے والے خٰلِدِیْنَ فِیْھَا ہوں گے یعنی وہ وہاں ہمیشہ رہیں گے۔ گویا قرآن مجید نے خلود فی النار (دوزخ میں ہمیشگی) اور خلود فی الجنۃ (جنت میں ہمیشگی) کی تصریحات خود فرما دی ہیں۔ اور پھر گیارہ مقامات پر اس ضمن میں خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا کے الفاظ آئے ہیں۔ جس کے معنی ہیں کہ "وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اُس میں رہیں گے"۔ (ان گیارہ مقامات کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سورۂ نساء آیت ۵۷، ۱۲۲۔ سورۂ مائدہ آیت ۱۱۹، سورۂ توبہ آیت ۲۲، ۱۰۰۔ سورۂ احزاب آیت ۶۵۔ سورۂ تغابن آیت ۹۔ سورۂ طلاق آیت ۱۱۔ سورۂ جن آیت ۲۳۔ نیز سورۂ بیّنہ آیت ۸)۔

مزید برآں سورۂ کہف آیت ۳ میں مَاکِثِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا کے الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں۔ جن کا مطلب یہ ہے کہ "وہ اُس میں ابد تک رہنے والے ہیں"۔

پھر سورۂ مائدہ آیت ۳۷ میں ہے کہ کافر یہ چاہیں گے کہ دوزخ سے نکل جائیں، مگر وہ اس میں سے نکل نہ سکیں گے اور اُن کے دائمی عذاب ہو گا:-

یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنَ	وہ (کافر) چاہیں گے کہ اُس آگ سے نکل
النَّارِ وَمَا ھُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنْھَا ز	بھاگیں، مگر وہ اس میں سے نکل نہ سکیں گے۔
وَلَھُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ہ	اور ان کے لیے قائم رہنے والا عذاب ہو گا۔

(المائدہ۔ آیت ۳۷)

جب اتنے کثیر نصوصِ قرآنیہ اس بات کی صراحت کرتے ہیں کہ جنت اور دوزخ میں خلود ہے، ہمیشگی ہے، دوام ہے اور ابدیت ہے، تو پھر "احقاب" کے لفظ سے کس طرح جنت و دوزخ میں عدمِ خلود ہونے کا ثبوت نکالا جا سکتا ہے؟

ہماری رائے میں اقبال مرحوم نے جنت و دوزخ کے بارے میں جو نظریات قائم کیے ہیں، وہ

درست نہیں ہیں اور قرآن مجید کی واضح تعلیمات سے مطابقت نہیں رکھتے۔ علامہ کا ایک خاص فلسفیانہ اور صوفیانہ طرزِ فکر بھی کہیں کہیں جھلکتا ہے۔ یہ بحث بھی اسی کیفیت کے تحت آتی ہے۔

جنت کے بارے میں ایک تصور تو وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے خود اپنے کلامِ مجید میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں بیان فرما دیا ہے۔ قرآن مجید نے اس جنت کا تعارف کراتے ہوئے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيٓ أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ ۝ نُزُلًا مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيمٍ ۝ (حٰم سجدہ۔ آیت ۳۱، ۳۲)

اور جس چیز کو تمہارا جی چاہے گا بہشت میں موجود ہوگی اور جو چیز تم طلب کرو گے وہاں حاضر ہوگی۔ یہ بخشنے والے مہربان خدا کی طرف سے مہمانی ہوگی۔

گویا جنت وہ مقام ہے جہاں وہ ساری نعمتیں اور آسائشیں بیسر ہوں گی جن کی تمنا کی جا سکتی ہے۔ اور نفسِ انسانی کی ہر طلب پوری ہوگی۔ جہاں پر ہر پیاس کے لیے سیرابی، ہر بھوک کے لیے سیری اور ہر آرزو کے لیے تکمیل ہوگی۔ جہاں پر کوئی جکڑ بندی، کوئی مجبوری اور کوئی اکتاہٹ نہ ہوگی۔ بلکہ ہر لمحہ نئی تازگی، ہر لحظہ نئی دلچسپی اور دل بستگی کا سروسامان ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی جنت کا ہمیں یہی تصور دیا ہے کہ اس میں نت نئے ممکنات موجود ہوں گے۔ گنجائش ہے کہ نئے نئے مناظر طلب کیے جا سکیں، خلاؤں میں پرواز کی جا سکے، ستاروں اور کہکشانوں کی سیر ہوتی رہے۔ لیکن اگر مقصود یہ ہو کہ جنتِ الٰہی کے بنیادی قرآنی تصور کے بجائے سرے سے کسی من مانی جنت کی حسرت میں پڑے رہیں تو اس سے حقیقتِ واقعی نہ تو بدلے گی۔ اور قرآن کے بیان کردہ تصور سے ہم دور رہ جائیں گے۔

پھر یاد رہے کہ اقبال مرحوم ۱۸۷۷ء میں پیدا ہوئے ہیں اور ان کی کتاب "پیامِ مشرق" ۱۹۱۸ء میں، تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ ۱۹۳۰ء میں، اور جاوید نامہ ۱۹۳۶ء میں طبع ہوئی ہے۔ تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ، اقبال مرحوم کے جن انگریزی خطبات پر مشتمل ہے وہ ۱۹۲۸ء اور ۱۹۲۹ء میں مدارس مسلم ایسوسی ایشن کی دعوت پر مدارس حیدر آباد اور علی گڑھ میں دیئے گئے تھے۔ اس طرح جنت و دوزخ سے متعلق اقبال مرحوم کے درج بالا نظریات گویا عمر بھر ان کے نظریات رہے۔

اس لیے یہ کہنا غلط ہوگا کہ اُن کے یہ نظریات تو اُن کی ابتدائی زندگی میں تھے، ممکن ہے بعد میں انہوں نے ان سے رجوع کر لیا ہو جبکہ واقعہ یہ ہے کہ جنت و دوزخ کے بارے میں اقبال مرحوم کے مذکورہ بالا نظریات کا تعلق ان کی ابتدائی زندگی سے ہرگز نہیں ہے اور ان سے ان کا رجوع یا براءت اُن کی عمر کے کسی حصے میں بھی ثابت نہیں ہے۔

ہمیں اعتراف ہے کہ اقبال ہماری قیمتی متاع ہے۔ وہ قافلۂ اُمت کا حدی خواں اور لشکرِ اُمت کا رجز خواں ہے۔ وہ ہمیں مایوسی اور قنوطیت سے بچاتا، جمود کو توڑتا، خوابیدہ دلوں کو بیدار کر کے انہیں زندگی اور حرکت سے آشنا کرتا ہے۔ وہ ہمیں اُمید اور رجائیت کی تلقین کرتا اور عالمگیر انقلاب اسلامی کی دعوت دیتا ہے۔

ہم اقبال کی شاعرانہ عظمت اور اس کے حکیمانہ فکر کا احترام کرتے ہیں اور اس کے ایمان افروز پیغام سے محبت کرتے ہیں۔ البتہ غیر مشروط اطاعت و اخذِ ہدایت صرف نبی پاک سے کر سکتے ہیں۔ نبی تنقید سے بالاتر ہے مگر ہمارا محترم ملی شاعر و حکیم تنقید سے بالاتر نہیں ہے۔ ہمیں خُذْ مَا صَفَا، دَعْ مَا کَدِرَ کے دانشمندانہ اُصول کے مطابق حق بات کی تائید کرنا اور باطل قول کو چھوڑنا ہوگا۔ اقبال شناسی کا صحیح طریقہ یہی ہے۔ ہم صرف اسی صورت میں اقبال سے انصاف کر سکتے ہیں، اسی میں اقبال کی عظمت پوشیدہ ہے، ورنہ اگر ہم اسے خدا یا نبی بنانے کی کوشش کریں گے تو پھر ہمارے پاس وہ اقبال بھی نہیں رہے گا جس پر آج ہمیں فخر و ناز ہے۔